



سوال

(11) کسی کے وسیلے اور صدقہ کے ساتھ دعا مانگنی کیسی ہے؟

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کسی کے وسیلے اور صدقہ کے ساتھ دعا مانگنی کیسی ہے؟ مثلاً: ایک شخص کہتا ہے کہ اے خدا! اپنے رسول پاک کے صدقے میں میری اس بیماری کو دور کر دے۔ یا قرآن کے طفیل میں میری خطاؤں کو بخش دے۔ یا فلان بزرگ کے وسیلے اور برکت سے ہمارے اموال و جائیداد میں ترقی عنایت فرما۔ بقول شخصے حضرت مولانا اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرک ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ اور ادھر کے اکثر حنفی مولویوں سے فتویٰ پلچھا گیا۔ تو انہوں نے اس طریقہ دعائیہ کو مستحسن قرار دیا اور بعضوں نے تو صرف جائز قرار دیا اور بعضوں کہا کہ بغیر وسیلہ کے کوئی دعا مقبول بارگاہ ہی نہیں ہو سکتی۔

ان میں سے بعض نے استفتا کی حدیث پیش کی۔ اور بعضوں نے من کانت لہ ضرورۃ، فلیتوضأ فیحسن وضوئہ یصلی رکعتین، ثم یدعو اللہ اسک واولیاءک بنبیک محمد نبی الرحمة، یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ہذہ، لتقصر لی، اللهم شفیع فی.....، (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ترمذی کتاب الدعوات باب: 119 (3578) 5/569 ابن ماجہ کتاب الصلاة باب ماجاء فی صلاة الحاجۃ (1384) 1/442): "مستقول از حسن حصین،، اور کسی نے درود شریف: "اللهم صلی علی محمد وسیلتی الیک وآلہ وسلم صلی اللہ علیک یا محمد،، اور کسی نے سعدی علیہ الرحمہ کے اشعار خدا یا سبحت بنی فاطمہؑ

الجواب بعون الوهاب بشرط صحیحہ السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

واضح ہو کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے تمام دینی امور اور کاموں کو اللہ اور رسول کے قانون پر پیش کرے، ارشاد ہے **فَان شِئْرَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ... ۵۹ ... النساء** قانون الہی اس کام کی اجازت دے تو عمل میں لائے۔ نہ اجازت دے تو اس سے پرہیز کرے، ایک مومن کے لیے حجت اور دین صرف قرآن اور حدیث ہے۔ اس لیے اس کو اپنا ہر عمل انہیں دونوں کو سٹیوں پر پرکھنا چاہیے۔ ٹھیک اترے تو اس عمل پر ثابت رہے ورنہ ہموڑ دے، جس چیز کا ثبوت قرآن و حدیث اور بدرجہ آخر عمل صحابہ سے نہ ہو اس کو بدعت جان کر ترک کر دے۔ "من احدث فی امرنا ہذا مالئ منہ فمرد،، الحدیث (بخاری کتاب الصلح باب اذا صلحوا علی صلح جور فمردود 3/167، مسلم کتاب الاقصیہ باب نقص الاحکام الباطلۃ (3/1343(1718))

سوال میں بیان کردہ مروجہ "توسل،، یعنی: کسی کے صدقہ اور وسیلے کے ساتھ دعا مانگنی (جس میں متوسل بہ کا ذی عقل ہونا، یا زندہ ہونا، یا اس کو ہمارے توسل کا علم ہونا، یا اس کی دعا کا بھی دخل ہونا مشروط اور ضروری نہیں ہوتا) نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ احادیث رسول ﷺ سے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے، نہ تابعین و ائمہ عظام سے، غرض یہ کہ یہ طریقہ خیر القرون میں موجود نہیں تھا، اس لیے بلاشبہ بدعت ہے جس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔



مولوی نورشاہ مرحوم لکھتے ہیں: ”وا علم ان التوسل بين السلف، لم يكن كما هو المصنوع بيننا، فانهم اذا كانوا يريدون ان يتوسلوا بآحد، كانوا يذبحون بمن يتوسلون به ايضا معهم ليدعوا لهم، ثم يستغيثون بالله ويدعونهم ويرجون الاجابة منه ببركة شموله ووجوده فيهم، (قال): أما التوسل باسماء الصالحين، كما هو المتعارف في زماننا، بحيث لا يكون للمتوسلين بهم علم بتوسلنا، بل لا تشترط فيه حياتهم ايضا، وانما يتوسل بذكر اسماءهم فحسب، زعمنا منهم ان لهم وجاهة عند الله وقبولاً فلا يضيعهم بذكر اسماءهم، فذلك امر لا يحب أن أقتحم فيه، فلا داعي ثبوته على السلف ولا أنكره (قال): وأما قوله تعالى: ”وابتغوا اليه الوسيلة“، فذلك اقتضى ابتغاء واسطة، لكن لاجته فيه على التوسل المعروف بالاسماء فقط، (قال): وأجازة صاحب الدر المختار، ولكن لم يأت بنقل عن السلف،، انتهى (فيض الباري 433/3).

قلت: لم يثبت من أحد من السلف، التوسل المعروف في زماننا، ولا يمكن لأحد من هؤلاء الزائغين الضالين عن الحق أن يثبت آبه، ولو كان بعضهم لبعض ظهير، ولا عجب مما اجتمعت عنده صاحب الفيض، أعنى القول بكون التوسل المعروف بدعي، فانه قد أجاز الاستفاضة من اهل القبور، فمات جوامعهم بعد ذلك، وليعلم أن قوله تعالى: ”وابتغوا اليه الوسيلة“، لا يقتضى ابتغاء واسطة، كما تفوه به صاحب الفيض، لأن المراد بالوسيلة القرب، والمعنى: اطلبوا القرب من الله تعالى بالأعمال الصالحة، وارجع الى تفسير الحافظ ابن كثير وغيره من كتب التفسير

توسل مروجہ کے جواز پر بہت سے نقلی اور عقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں، جن میں سے دو مشہور دلیلیں سوال میں درج کی گئیں ہیں، لیکن ان میں سے ایک دلیل بھی مثبت مدعا نہیں ہے، استفتاء حضرت عمر والی حدیث صحیح بخاری (کتاب الصلاة باب سؤال الناس الامام الاستفتاء اذا قتلوا 2 15) میں باہن الفاظ مروی ہے۔

عن أنس، أن عمر استسقى بالعباس، وقال: اللهم إنا كنا إذا أجدت نوسل إليك بنينا فستقينا، وإنا نوسل إليك بعم بنيك، فاستقنا، فاستقنوا،، ظاہر ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) آں حضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کی دعا اور سفارش سے توسل کیا کرتے تھے، آں حضرت ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے اور ساتھ ہی صحابہ بھی دعا فرماتے جیسے امام اور مقتدی دونوں دعا کرتے ہیں، پھر جب آں حضرت ﷺ وفات پگئے تو صحابہ نے حضرت عباس کی دعا سے توسل کیا، چنانچہ حضرت عباس کی دعا کے یہ الفاظ نقل کئے جاتے ہیں: ”اللهم إنا لم يزل بلاء إلا يذنب، ولم يكشف إلا بتوبته، وقد توجه القوم في إليك، لكافي من نبيك، وهذه آيدنا إليك بالذنوب ونواصيننا إليك بالتوبة، فاستقنا الغيث“، (فتح الباري 12/497)، پس یہ توسل ایک بزرگ زندہ شخص کی دعا اور سفارش سے ہوا، نہ مردہ شخص کی ذات سے یا اس کی نام سے۔ اور اس حدیث سے ثابت شدہ توسل میں اور توسل مروجہ میں آسمان وزمین کافرق ہے۔ جس توسل کو ہم بدعت کہتے ہیں وہ ثابت نہیں ہوا۔ اور جو ثابت ہے ہم اس کے منکر نہیں، اگر توسل بالمیت جائز تھا تو حضرت عمر دیگر صحابہ کرام نے بجائے حضرت عباس کے خود آنحضرت ﷺ سے کیوں نہیں توسل کیا؟ اور مولوی نورشاہ مرحوم فرماتے ہیں: ”ليس فيه التوسل المصنوع الذي يكون بالغائب، حتى قد لا يكون به شعور أصلاً، بل فيه توسل السلف، وهو أن يقدم رجلاً أو جابته عند الله تعالى، وبأمره أن يدعوهم، ثم تحيل عليه دعائه، كما فعل بعباس رضي الله عنه عم النبي صلى الله عليه وسلم، ولو كان فيه توسل المتأخرين، لما احتاجوا بآداب عباس رضي الله عنه معهم، ولكنهم لم التوسل بنبيهم بعد وفاته أيضاً، أولعباس رضي الله عنه مع عدم شعور معهم،، انتهى (فيض الباري 2/379) اور حدیث ذیل جو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، مستدرک حاکم (1 526) وغیرہ میں مروی ہے اس سے توسل مروجہ کا ثبوت نہیں ہوتا کیوں کہ اس میں درحقیقت توسل بالدعا ہے اور وہ بھی آں حضرت ﷺ کی زندگی میں۔ نہ کہ بعد وفات ”أتوجه إليك بنبيك محمد بنی الرحمة، اني توجهت بك إلی ربی“، میں بدعاء وشفاعة نبيك سے مراد ہے، اور اس پر دلیل کالفظ ”اللهم شفعه في“، ہے پس اس میں آنحضرت ﷺ کی دعا ووسیلہ بنانا ہے اور بلاشبہ جائز ہے۔ رہ گئی طبرانی کی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ توسل بالمیت کے قائل تھے۔ تو وہ روایت ناقابل استدلال ہے لآن فی سندہ روح بن صلاح وھو ضعیف اور سوال میں نقل کردہ درود کے الفاظ کسی معتبر روایت بلکہ ضعیف سے بھی ثابت نہیں ہے، اس لیے اس سے توسل مروجہ پر استدلال کرنا غلط ہے۔ اور شیخ سعدی نہ پینمبر ہیں نہ ان کا کلام حجت ہے۔ اس لیے اس سے دلیل پکڑنا عبث اور فضول ہے۔ بلکہ یہ تو حنفی مذہب کے سراسر خلاف ہے۔

قال الواحش القدروري في شرح كتاب الكرخي: ”قال بشر بن الوليد: سمعت أبا يوسف يقول: قال ابو حنيفة: لا ينبغي لأحد أن يدعو الله تعالى إلا به، وأكره أن يقول: استنك بمعاقد العز من عرشك، وأن يقول: بحق فلان وبحق انبيائك وسلك وبحق البيت الحرام،، انتهى، وقال نعمان خیر الدين الحنفی في جلاء العینین: ”ونقل القدروري وغيره من الحنفية عن ابی يوسف أنه قال ابو حنيفة: لا ينبغي لأحد أن يدعو الله إلا به، وفي جميع متونهم: أن قول الداعي المتوسل بحق الأنبياء والأولياء وبحق البيت والمشر الحرام مكروه كراهية تحريم، وبهي كالحرام في العقوبة بالنار عند محمد،، انتهى ملخصاً



خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ توسل مروجہ بدعت اور بے اصل چیز ہے قال شیخنا الأجل المبارک فوری فی شرح الترمذی 283/4: ”الحق عندی أن التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ، بمعنی التوسل بدعاتہ وشفاعتہ جابر، وکذا التوسل تغیرہ من اہل الخیر والصلاح فی حیاتہم، بمعنی التوسل بدعاتہم وشفاعتہم ایضا جائز، وأما التوسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد مماتہ، وکذا التوسل بغیرہ من اہل الخیر والصلاح بعد مماتہم، فلا یجوز، انتہی۔ بعض دیوبندی علماء نے توسل مروجہ کی تجدید یا توجیہ واصلح اس طرح کی ہے:

”ہم جس توسل کی قائل ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حاجت مانگی جائے، اور اللہ تعالیٰ کو یہی معین اور فریادورس سمجھا جائے، اور بزرگوں سے جو اللہ تعالیٰ کو خاص محبت اور خاص تعلق ہے اور اس کے وسیلے سے دعا کی جائے۔ وسیلہ حقیقت میں اللہ کی وہ رحمت ہے جس سے مقبول بندہ نواز گیا ہے۔ پس کسی کے وسیلے سے دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کو، جو اس بندہ پر ہے وسیلہ بنایا گیا ہے خود اس بندہ کو وسیلہ نہیں بنایا گیا ہے۔ اب تم اللہ کی رحمت و محبت و عنایت کو جس سے خاص بندے نوازے گئے ہیں، اپنی حاجت کے وقت وسیلہ بنا سکتے ہو، ہر حال میں اللہ توحید ملحوظ رکھو، بندہ کو فاعل اور موثر اور کام بنانے والا نہ سمجھو۔“

(حاشیہ البیان المشید ترجمہ البرہان المویذ)

هذا ما عندي واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 1

صفحہ نمبر 41

محدث فتویٰ